© rasailojaraid.com

پروفیسر خالد شبیر احمد
قسط: ۳۳

ورق ورق زندگی

دارِ بنی ہاشم اور محسنِ احرار سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ:

۱۹۶۲ء میں سیاسی جماعتوں پر سے پابندی کا خاتمہ ہونے کے بعد جماعتِ احرار کا احیا ہوا۔ اس سلسلے میں جب مجلس شوریٰ کا اجلاس موجودہ ''دارِ بنی ہاشم'' میں طلب کیا گیا تو اس وقت یہاں پر حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری قدس سرّہ کے اہتمام میں ''مدرسہ احرار الاسلام'' کے نام سے ایک ادارہ قائم تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اُس وقت اردگرد آبادی کا کہیں نام ونشان تک نہ تھا۔ میرے کالج (گورنمنٹ سول لائنز کالج) سے لے کر M.D.A چوک تک سڑک کے دونوں کناروں پر کوئی عمارت نہ تھی بلکہ دونوں طرف تاحدّ نگاہ نرسریاں بنی ہوئی تھیں۔ جنوری ۱۹۷۹ء میں یہاں پر تحریکِ طلبائے اسلام کا کنونشن منعقد ہوا۔ انھی دنوں میں مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ نے یہاں مستقل قیام اختیار کرتے ہوئے اس جگہ کا نام ''دارِ بنی ہاشم'' تجویز فرمایا ساتھ ہی مدرسہ معمورہ کا اجرا بھی کیا۔ پھر آج دارِ بنی ہاشم کو دیکھئے جہاں اللہ کے فضل وکرم سے دین اور اہلِ دین کی محبت ومحنت کے آثار ہویدا ہیں۔ عمدہ اور لائقِ استفادہ لائبریری موجود ہے۔ مجلسِ احرار کا دفتر بھی اسی احاطے میں قائم ہے۔ جو عامۃ المسلمین اور مجلس کے کارکنوں کی تربیّت ورہنمائی کا ایک اہم مرکز ہے۔ الحمدللہ وسائل کی بہت فراوانی نہ سہی لیکن اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہر سہولت موجود ہے۔ پھر دارِ بنی ہاشم کے اسی احاطہ میں مدرسہ معمورہ بھی قائم ہے۔ جہاں حفظِ قرآنِ مجید اور درسِ نظامی کے شعبوں میں طلبائے دین کا استقبال کیا جاتا ہے اور آج جس کے فضلاء زندگی کے مختلف شعبوں میں حریت پسندانہ نظریات کی پختگی کے ساتھ مصروفِ عمل ہیں جبکہ لڑکیوں کی تعلیم کے لیے ''جامعہ بستانِ عائشہ'' قائم ہے۔ جس میں بچیوں کے داخلے کے لیے لوگ انتظار کرتے ہیں اور تعداد کی کثرت ومکان کی قلت کی وجہ سے سب درخواست گزاروں کو داخلہ دینا ممکن نہیں ہوتا۔ ''جامع مسجد ختمِ نبوّت'' بھی اسی احاطے میں واقع ہے جس کا منبر وہ مسندِ عالی ہے جس پر روزِ اول سے آج تک ہمیشہ استعمار دشمن، عاشقِ رسول، متبعِ سنّت اور اللہ تعالیٰ کی خشیت رکھنے والے علمائے ربانی ہی جلوہ افروز ہو کر امّتِ مسلمہ کو اس کے دوستوں اور دشمنوں کی پہچان سمیت دینِ حنیف کے احکام وعلوم کی نشر واشاعت کرتے رہے ہیں۔ کسی دنیا دار جاہ پرست بہروپیا مولوی کو اس مطہّر منبر نے قبول نہیں کیا ہے۔ جماعت کے ترجمان ماہنامہ ''نقیبِ ختمِ نبوّت'' کا دفترِ ادارت بھی یہیں قائم ہے جہاں سے پچھلے ۲۵ برس سے یہ موقر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماہنامہ پوری باقاعدگی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ غرضیکہ دارِ بنی ہاشم کارکنانِ مجلس احرار اسلام کے لیے ایک منارۂ نور بنا ہوا ہے۔ اس روشن سفر میں بنیادی جدّ و جہد اور قربانی حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ جنھوں نے دن رات محنت کر کے اس کی بنیادی ضروریات فراہم کیں۔ اساتذہ و طلباء اور ادارے میں آنے والوں کی خدمت و رہنمائی میں دن رات ایک کر دیا۔ سید عطاء المحسن شاہ صاحب رحمہ اللہ کی مرحومہ و مغفورہ اہلیہ نے بھی اس ادارے کے متعلقین کے اکرامِ واجب کے لیے اپنے ایثار پیشہ شوہرِ نام دار کے ساتھ مکمل تعاون کیا۔ مدرسہ معمورہ کے ابتدائی دنوں میں کافی عرصہ تک تمام طالب علموں کا کھانا وہ خود اپنے ہاتھوں سے تیار کرتی رہیں۔ محسن شاہ صاحب جب کہیں شہر سے باہر دورے پر چلے جاتے تو ان کی عدم موجودگی میں معصوم طلباء کی نگہداشت وہی کرتی تھیں۔ بعض اوقات اس وقت کے دارِ بنی ہاشم میں، جس کی تنہائی اور آبادی سے دوری دیکھی نہ جاتی تھی، وہ تمام شرعی قیود کی رعایت رکھتے ہوئے مدرسہ سے متعلقہ معاملات کی خود دیکھ بھال کرتیں۔ پروفیسر محمود الحسن قریشی مرحوم دارِ بنی ہاشم کے اولین ہمسایوں میں سے تھے وہ بھی حقِ ہمسائیگی ادا کرتے ہوئے مدرسے کے باہر کی دیکھ بھال کی خاطر رات کو مدرسہ میں سو جایا کرتے تھے۔

دارِ بنی ہاشم کے قیام کے بعد یہاں جماعتی و دینی سرگرمیوں کا آغاز ہوا تو مختلف پروگرام منعقد کیے گئے اور اہم نشستیں بھی ہونے لگیں۔ حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ کی امامت میں عیدین کی نمازوں کے اجتماعات تو پہلے سے ہو رہے تھے۔ ۸۰ کی دہائی کے آغاز میں مولانا سید عطاء المحسن بخاری کی فصیح البیان خطابتِ جمعہ بھی شروع ہوگئی۔ اسی زمانے میں سالانہ مجلسِ ذکرِ حسین کا باقاعدہ انعقاد بھی یہیں پر ہونے لگا جو الحمد للہ ابھی تک مستمر ہے۔ اسی طرح یومِ امیر شریعت سمیت مختلف النوع اجتماعات اور نشستوں میں مولانا سید عطاء المومن بخاری سمیت اہلِ علم و فکر اور احرار کارکنان و قائدین نہایت سرگرمی سے شرکت کرتے تھے۔ چنانچہ اس ادارے کو مرکزیت حاصل ہوتی گئی اور شہر بھر کے حریت کیش دوستوں کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔

محترم سید کفیل شاہ صاحب بخاری کہتے ہیں کہ فروری ۱۹۸۸ء میں جب محسن شاہ صاحب مرحوم و مغفور نے ماہنامہ ’’نقیبِ ختمِ نبوّت‘‘ کا اجراء کیا تو اس کی طباعت و اشاعت کے اخراجات میں ہمیں ہر ماہ مالی خسارہ اٹھانا پڑتا تھا۔ میں نے ایک دن اپنے محسن و مربی ماموں مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ کو اس طرف توجہ دلائی تو فرمانے لگے کہ یہ رسالہ ہمیں ہر حال میں شائع کرنا ہے۔ یہ خسارہ اس طرح سمجھو کہ تم نے اتنی تنخواہ میں جماعت کے لیے ایک مبلغ رکھا ہوا ہے، ان شاء اللہ یہ ہمارا بہترین مبلغ ہے کیونکہ یہ وہاں بھی پہنچتا ہے جہاں ہم میں سے کوئی اور نہیں پہنچ سکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک بار سید عطاء المحسن شاہ صاحب نے فیصلہ کیا کہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں ایک مشاعرہ منعقد ہونا چاہیے۔ چنانچہ وہ مشاعرہ ہوا اور اس جگہ پر ہوا جہاں پر اس وقت مسجد کی عمارت ہے، اس وقت یہ جگہ ایک خالی میدان تھی۔ اس مشاعرے میں شہر کے مقتدر شعراء نے شرکت کی اور لوگوں کی کثیر تعداد اس مشاعرہ سے محظوظ ہوئی۔ تحریک طلباء اسلام کے اُس وقت نائب صدر محترم ارشد بخاری نے، جو اس وقت احمد پور شرقیہ میں وکالت کر رہے ہیں، اس مشاعرے کو ریکارڈ کر کے محفوظ کر لیا تھا۔ اس مشاعرے میں پڑھی گئی نظمیں جن میں امیر شریعت کی ذاتِ والا صفات کی دینی خدمات، ان کی انگریز دشمنی، اُن کی آزادی کے لیے تگ ودو کو خوبصورت انداز میں خراجِ تحسین پیش کیا گیا تھا۔ یہ مشاعرہ مشہور و معروف شاعر اور ادیب جناب عابد صدیق صاحب مرحوم و مغفور کی صدارت میں ہوا۔ جس میں جناب عاصی کرنالیؒ، جناب اسلم انصاری، جناب ارشد ملتانیؒ، جناب انور جمال، جناب ولی محمد واجدؒ، جناب تابش صمدانی، جناب ہلال جعفریؒ خاص طور قابل ذکر ہیں۔ ان تمام حضرات کی نظموں کے چند شعر نذرِ قارئین کیے جاتے ہیں۔

جناب اسلم انصاری:

صدفِ دہر میں ایک گوہر یکتا تھا وہ　　فرد تھا علم و عزیمت میں یگانہ تھا وہ
لحن میں اُس کے فصاحت کا چمن کھلتا تھا　　حسن ابلاغ میں مہکتی ہوئی دنیا تھا وہ
اس کی محفل میں بلاغت بھی تھی نقشِ دیوار　　حرف و مفہوم سماعت تھے کہ گویا تھا وہ
کوئی باور نہ کرے گا وہ سخن کا اعجاز　　شاید اب کوئی نہ سمجھے گا کہ کیسا تھا

جناب عاصی کرنالی مرحوم:

ایک شعلہ تھا جو بہت بے تاب و برہم ہو گیا　　شاہ صاحب کی خطابت میں مجسم ہو گیا
آندھیوں کا زور، بادل کی گرج، طوفانوں کا جوش　　سیل کی آہٹ کڑکتے صاعقے جیسا خروش
زلزلہ، صرصر، تلاطم، آگ، لاوا، بانگِ صور　　موت کی للکار، برزخ، نعرۂ یوم النشور
علم، قرآن، آگہی، ایقاں، تفکر، اعتقاد　　شرح، ایماں، معرفت، حکمت، تفقہ اجتہاد
ملّتِ اسلام اے روشن نصیب و خوش نظر　　دیکھیے اس انمول آزادی کی ظالم قدر کر
خطۂ ارضِ وطن اک مشترک تعبیر ہے　　شاہ جی کا خونِ دل بھی شاملِ تعمیر ہے

جناب انور جمال:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اے رہروانِ شوق کے سالارِ معرفت — تیری زباں نے کھولے ہیں اسرارِ معرفت
تقدیس کی لغت میں خدا کا ولی ہے تو — دیباچۂ حیات کا حرفِ جلی ہے تو
اک مردِ صد صفت کہ جماعت کہیں جسے — ایسا فقیر، ''امیرِ شریعت'' کہیں جسے
لکھتا ہوں تیری شان میں اشعار اس لیے — تو عشقِ مصطفیٰ میں ہے سرشار اس لیے
میرا نسب یہی ہے یہی میرا نام ہے — جو عاشقِ رسول ﷺ ہے میرا امام ہے

جنابِ تابش:

وہ میرِ شریعت تھے وہ قائدِ احرار — باطل کے وہ سر پہ تھے لٹکتی ہوئی تلوار
بچھڑے ہوئے گو تجھ سے ہوا ایک زمانہ — سینوں میں کھلے ہیں تری یادوں کے چمن زار
اب ڈھونڈ کے لائیں ترے رتبہ کا کہاں سے — بھٹکی ہوئی ملّت کا قافلہ سالار
تو ختمِ نبوّت کا مبلغ تھا وہ جس پر — اس ملک کے شاہد ہیں سبھی کوچہ و بازار

جناب ولی محمد واجد:

احرار سربلند ہیں باطل کے سامنے — للکار کس کی ہے یہ جہانِ اصول میں
لرزاں ہیں سامراج کے سارے گماشتے — اک کھلبلی مچی ہے ظلوم و جہول میں
اہلِ نظر امیر شریعت کہیں جسے — یاد اس کی زندہ ہے میرے قلب ملول میں
واللہ ان کے قرب کا لمحہ کبھی نہ دوں — سارا جہاں بھی جو ملے مجھ کو مول میں
آؤ لگائیں در پہ بخاری کے ایک صدا — ممکن ہے کچھ کمی ہو شبِ غم کے طول میں
واجد حضور گوشِ دل و جان سے سنو — ظفر علی کا شعر گنواؤ نہ بھول میں
''کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمزمے — بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسول میں''

آخر میں صدر مشاعرہ جناب عابد صدیق نے اپنی نظم پیش کی:

دیکھا ہے ہم نے دین و سیاست کا امتزاج — اس عہد میں امیر شریعت کی ذات میں
مردِ فقیر، شاہ جی کہتے ہیں جس کو لوگ — جس کو فقط غلامیٔ افرنگ کا تھا روگ
اس مردِ حُر کا قوم نہ کیونکر منائے سوگ — ''پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کے بیاں سے لرزہ بجاں شوکتِ فرنگ
جس کی زباں میں کوثر و تسنیم کے تھے رنگ

ظلمت گہِ ہنود میں وہ نور کا نشاں
ہندوستاں میں ختمِ نبوّت کا پاسباں

اس کی نگہ کی زد میں وسعت جہاں کی تھی
اب سوچتے رہو کہ وہ مٹی کہاں کی تھی

اصحابِ مصطفیٰ کی جماعت کا فرد تھا
''حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا''

ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے مسلسل ملاقاتیں:

ادھر ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر سے ملحقہ ایک چھوٹے سے مکان میں بیٹھے مجلس احرارِ اسلام کے دفتری نظام کو چلا رہے تھے۔ میں اکثر اسی جگہ پر ان کی بارگاہ میں حاضر ہوتا تھا۔ اسی مکان میں ملک کے مختلف لوگ آپ سے آ کر ملتے، اُن کے ساتھ جو گفتگو آپ فرماتے وہ میرے لیے حکمت و دانائی، عزم و ہمت، اعتماد و بے باکی کا ایک ایسا سبق تھی جو میری رگ رگ میں اب بھی خون کی گردش کی طرح دوڑتا ہے۔ انہوں نے یہیں بیٹھ کر مجھے لکھنے کی تلقین کی، فرماتے تھے کہ آپ لکھا کریں، آپ میں ایسی صلاحیت موجود ہے کہ اگر آپ اس پر توجہ دیں تو آپ اس کو نکھار کر بہتر بنا سکتے ہیں۔ اس سے پہلے مجھے کچھ لکھنے سے جھجک محسوس ہوتی تھی۔ امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اپنی ملاقاتوں کا ذکر کرتا تو کہتے انھیں ضبطِ تحریر میں لاؤ یہ ہماری جماعت کی تاریخ کا حصہ ہیں۔ چنانچہ میں نے ان کے کہنے پر یہ سب ملاقاتیں تحریر کیں جو ''نقیب ختمِ نبوت'' کے امیر شریعت نمبر کے حصہ اوّل، دوم میں موجود ہیں۔ امیر شریعت پر ایک طویل مضمون لکھ کر انہیں دکھایا تو بہت خوش ہوئے۔ پھر شعر گوئی کی طرف بھی انھوں نے ہی مجھے متوجہ فرمایا۔ ایک دفعہ ''اردو ڈائجسٹ'' کے مدیر الطاف حسین قریشی نے ایک مضمون میں لکھا کہ: سن ۵۳ء کی تحریک (یعنی تحریکِ مقدّس تحریک ختمِ نبوّت) انگریزوں کی ایما پر چلائی گئی تھی۔ تا کہ اس وقت جو اسلامی دستور اسمبلی کے زیرِ غور تھا اور تیار ہو رہا تھا وہ مکمل نہ ہو سکے۔ انہوں نے جب پڑھا تو مجھے فرمانے لگے کہ اس کا جواب تم نے لکھنا ہے۔ چنانچہ یہ انھی کا فیض ہے کہ میں نے الطاف حسین قریشی کے جواب میں ایک طویل مضمون تحریر کیا، جس کا عنوان تھا: ''تحریکِ ختمِ نبوت پر صحافی دولتانہ کا تبصرہ''۔ آپ نے اسے خوب پسند کیا اور مجھے داد دے کر میری حوصلہ افزائی کی اور اسے ''الاحرار'' میں شائع فرمایا۔ یہ مضمون میں نے احمد محمود اختر کے نام سے لکھا تھا جو میرا تاریخی نام ہے اور میرے والد محترم نے اس سے میرا سن پیدائش ۱۹۳۴ء نکالا تھا۔

ایک دن اُن کے پاس بیٹھا ملک کے سیاست دانوں کا تذکرہ کر رہا تھا کہ نہ ان کا کوئی معیار ہے نہ کوئی نصب العین، ہر ایک اپنے ذاتی مفادات کی فکر میں کبھی ایک جماعت تو کبھی دوسری جماعت میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس صورت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حال نے ہمارے سیاسی ماحول آلودہ کر رکھا ہے میں نے کہہ دیا کہ یہ سب ''تلّو تاڑو'' ہیں۔ اب تلّو تاڑو کی ترتیب پہ بہت خوش ہوئے کہ ہاں یہ درست ہے۔ یہ تاڑتے رہتے ہیں کہ مال کہاں سے مہیا ہوسکتا ہے۔ اُنھیں ایسی عوامی مزاج کی چیزیں بھی پسند آتی تھیں۔ کہنے لگے کہ تلّو تاڑو پہ کوئی شعر ہونا چاہیے۔ میں نے کہا کہ یہ تو آپ ہی کہہ سکتے ہیں۔ فکاہیہ رنگ میں کہنے لگے:

ہر　شخص　یہاں　پہ　تلّو　ہے
ہر　شخص　یہاں　پہ　تاڑو　ہے

کہنے لگے کہ اب اس شعر کو سامنے رکھتے ہوئے تم کوشش کرو۔ میں نے کہا کہ میں کوئی شاعر ہوں۔ کہنے لگے کہ تمہارے اندر ایک شاعر موجود ہے جو بہت جلد سامنے آجائے گا۔ تم کہو، بہر حال میں نے اسی شعر کو سامنے رکھ کر کچھ شعر نما کہے۔ میری بڑی حوصلہ افزائی فرمائی اور کہا کہ اس کو مکمل کرو جہاں پر کوئی سقم ہوگا میں درست کردوں گا۔ چند دنوں کے بعد وہ نظم مکمل ہوئی اور اس میں کچھ شعروں کا آپ نے بھی اضافہ کیا اور اس نظم کو ''چڑیا گھر'' کا عنوان دے کر اسے ''الاحرار'' میں شائع کر دیا۔ اب دیکھیئے کہ اس کے برسوں بعد میں نے شعر کہنا شروع کر دیا۔ یہ تھا ان کا کمال کہ مجھ جیسے لوگوں کو بھی سخن ور بنا دیا۔ میں اب بھی کہتا ہوں کہ آج نظم ونثر میں جو کچھ لکھنے کی توفیق ہو جاتی ہے یہ اُن کی نظرِ کرم ہی ہے۔ اور یہ بات مجھ پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ میرے جیسے کئی اصاغر کو انہوں نے لکھنا پڑھنا تلقین کیا اور سکھایا۔ میں نے مولانا مجاہد الحسینی مدظلہ کا ایک مضمون پڑھا تھا اس میں انہوں نے ایسے کچھ نوجوانوں کا ذکر کیا ہے، جنہیں آپ کی ہی تلقین اور تربیت نے اچھا لکھنے کا ذوق ڈالا۔ جن میں چند نام مثلاً محترم رفیق اختر، جناب ڈاکٹر شاہد کاشمیری، جناب عباس نجمی مرحوم، محترم سید کفیل بخاری جناب عبداللطیف خالد چیمہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے مضامین ''نقیبِ ختمِ نبوّت'' اور ''الاحرار'' میں موجود ہیں۔ محترم رفیق اختر نے تو کانگریس اور احرار، مسلم لیگ اور احرار کے زیرِ عنوان دو کتابیں تصنیف کیں۔ احرار کانگریس کا دیباچہ میں نے لکھا جو تیس چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔

ایک دن میں ان کے پاس بیٹھا تھا کہ عالمانہ شکل وصورت کے کچھ حضرات تشریف لے آئے۔ آپ نے چائے سے اُن کی تواضع کی اور آنے کا سبب پوچھا۔ کہنے لگے کہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے کفر کا فتویٰ لینے آئے ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب جماعت اسلامی کی طرف سے ۱۱۳ علماء کے فتویٰ کی تشہیر ہو رہی تھی کہ ''سوشلزم کفر ہے اور اس کی اعانت حرام ہے'' آپ اُن کی یہ بات سن کر حیران ہوئے اور جواباً ارشاد فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

”میں کوئی مفتی ہوں کہ آپ میرے پاس فتویٰ لینے کے لیے آ گئے ہیں۔ مفتی صاحب تو آپ راستے میں چھوڑ آئے ہیں اور پھر دوسری بات یہ ہے کہ مودودی صاحب پر کفر کا فتویٰ آپ کس بنا پر مانگ رہے ہیں؟“۔ انھوں نے کہا کہ صحابہ کی توہین پر۔ جواب دیا کہ ”صحابہ کی توہین ہی محض کفر کی بنا ہے؟ اگر ایسا ہی ہے تو میں اس شیعہ عالم کا نام لیتا ہوں، جس نے چند دن پہلے ملتان کے اندر ایک تقریر میں صحابہ کرام اور امّاں عائشہ رضی اللہ عنہا کی توہین کی ہے۔ کسی مفتی سے اس کے کفر کا فتویٰ لے آؤ اور مجھ سے مولانا مودودی کے کفر کا فتویٰ لے لو۔“

یہ سن کر وہ حضرات اپنا سامنہ لے کر جہاں سے آئے تھے وہیں روانہ ہو گئے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم سے ملاقات:

سید مودودی مرحوم کا ذکر آیا تو اب مجھے مولانا مودودی سے ایک ملاقات جو غالباً ۱۹۶۴ء یا پھر ۱۹۶۵ء میں اُن کی کوٹھی پر ہوئی وہ یاد آ گئی ہے۔ میں لاہور میں تھا کہ ایک دن میرے دوست شیخ پرویز سے ملاقات ہوئی۔ وہ اکثر آغا شورش مرحوم سے ملتے رہا کرتے تھے۔ عقیدۂ ختمِ نبوّت اور ردِّ قادیانیت میں ہمیشہ سرگرم کار رہے۔ ایک رسالہ ”مرزائیل“ کے نام سے ترتیب دے کر ملک بھر کے اہلِ علم حضرات میں تقسیم کیا۔ اسی طرح چنیوٹ سے ایک ماہنامہ ”بے لاگ“ چنیوٹ کے ہی دوسرے صحافی جناب بشیر چمن کے ساتھ مل کر شائع کرتے رہے ہیں اور بعد میں چنیوٹ کے گورنمنٹ اسلامیہ کالج کے پرنسپل طور پر کام کرنے کے بعد آج کل چنیوٹ میں ریٹائر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان سے اس اچانک ملاقات پر بڑی خوشی ہوئی اور ہم ایک جگہ گپ شپ کے لیے بیٹھ گئے، مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی تو مودودی صاحب رحمہ اللہ کی تحریک ختمِ نبوّت سے علیحدگی اور اُن کے باہم متعارض سیاسی مواقف کا ذکر بھی زیرِ بحث آیا۔ شیخ صاحب کہنے لگے اگر مودودی صاحب سے ملاقات کی جائے تو کیسا رہے گا۔ میں نے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ کہنے لگے کہ جہاں ہم اس وقت بیٹھے ہیں یہ اچھرہ ہے اور یہیں پہ اُن کی کوٹھی ہے۔ اگر انھوں نے وقت دیا تو ملاقات ہو جائے گی۔ مجھے یاد ہے کہ یہ وہ دور تھا کہ ملک کی تمام سیاسی جماعتیں مضبوط اپوزیشن کی صورت میں متحد تھیں، صدر ایوب کے خلاف بڑے زور و شور سے مہم جاری تھی اور جمہوریت کی بحالی کے لیے تگ و دو ہو رہی تھی۔ جس کی شدّت کی وجہ سے بعد میں صدر ایوب کو کہنا پڑا کہ ایک گول میز کانفرنس بلائی جائے اور میں اپوزیشن سے ہر مسئلہ پر بات چیت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ حالانکہ یہ وہی صدر ایوب تھے جو کبھی کہا کرتے تھے کہ اپوزیشن ہے ہی کہاں؟ اور میں کس سے بات کروں؟۔ اس تحریک کا آغاز جماعت اسلامی کی طرف سے ہی ہوا تھا۔ اپوزیشن جماعتوں کے اس اتحاد کی سربراہی نوابزادہ نصر اللہ خان کے پاس تھی جو رات دن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس اتحاد کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے میں مصروف تھے۔ چنانچہ ہم دونوں دوست میں اور شیخ پرویز مولانا مودودی مرحوم کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوئے، اندر داخل ہوئے تو گیٹ کے ساتھ ہی ایک وسیع لان تھا۔ دوسری طرف عمارت کے آخری کونے میں ایک کمرہ کھلا تھا۔ ہم دونوں اس کمرے میں داخل ہوئے تو ایک صاحب کرسی پر تشریف فرما تھے۔ سامنے ایک بڑا میز رکھا تھا اور وہ کچھ لکھ رہے تھے۔ ہم نے سلام کیا تو انہوں نے سر اٹھا کر ہمارے سلام کا جواب دیا اور کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا کہ آپ کیسے تشریف لائے ہیں۔ جواب میں شیخ پرویز نے کہا ہم دونوں مولانا صاحب سے ملاقات کے خواہش مند ہیں اس لیے حاضر ہوئے ہیں۔ ان صاحب نے کہا کہ حضرت مولانا تو اس طرح نہیں ملتے۔ جواب میں ہم نے کہا کہ ان سے ملاقات کا طریقہ کیا ہے؟ فرما دیجیے۔ انہوں نے کہا کہ مولانا تو عصر کی نماز کے بعد سامنے لان میں تشریف لے آتے ہیں اور جس نے انھیں ملنا ہوتا ہے وہ آ کر وہیں مل لیتے ہیں۔ ہم اٹھ کر آ گئے اور غالباً دوسرے ہی روز نماز عصر کے بعد دوبارہ گئے، مولانا وہاں تشریف فرما تھے۔ لان میں کوئی پچیس تیس کرسیاں موجود تھیں اور کچھ لوگ بھی ان کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ مولانا کی ساتھ والی کرسی خالی تھی، میں نے سلام عرض کیا اور اسی کرسی پر بیٹھ گیا۔ رسمی سی گفتگو ہوئی مولانا مودودی مجھ سے مخاطب ہوئے، کہاں سے آئے ہیں، کیا کرتے ہیں؟۔ ملاقات کا سبب پوچھا تو میں نے عرض کیا کہ آپ جیسے اہلِ فضل وکمال کی خدمت میں نیاز مندانہ حاضری کا شوق ویسے ہی مستقل سبب ہے لیکن کچھ باتیں تو ہم بطورِ خاص آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں اس لیے حاضر ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا فرمائیے۔

میرا پہلا سوال تھا کہ حضرت آپ کی جماعت مکمل اسلامی معاشرے کے قیام کی داعی ہے اور اس سلسلے میں انتہائی منظّم طریقے سے کام کر رہی ہے۔ لیکن بعض لوگ آپ کی جماعت پر جو آپ ہی کی قیادت ورہنمائی میں مصروفِ کار ہے، اعتراض کرتے ہیں کہ منزل تو آپ کی اسلام ہے لیکن آپ ان جماعتوں سے بھی اشتراکِ عمل اور تعاون کر لیتے ہے جو سرے سے پا سیکولر نظریات کی مناد ہیں اور کھلم کھلا اشتراکیت سے متاثر بھی ہیں۔ آپ کی یہ پالیسی کہاں تک درست ہے؟ کیا اس سے آپ کے احیائے اسلام کی تحریک والے موقف کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھنے کا احساس نہیں ہوتا؟

مولانا کہنے لگے: ''جو لوگ ایسا سوچتے ہیں وہ غلط سوچتے ہیں۔ ہماری منزل اسلامی معاشرہ ہے لیکن ہم اسلامی معاشرے کے قیام سے پہلے جمہوریت کی بحالی کو ناگزیر سمجھتے ہیں۔ اس لیے جمہوریت کی بحالی کے لیے ہمیں ان جماعتوں سے تعاون اسی طرح کرنا پڑتا ہے جس طرح اس مقصد کے حصول کی خاطر وہ ہمارے ساتھ تعاون پر مجبور ہیں۔''

میں نے عرض کیا کہ پھر تو آپ کی جدّ وجہد دو محاذوں پر منقسم ہوگئی۔ کیا واقعی جمہوریت کے بغیر اس ملک کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اندر اسلام کا نفاذ ممکن نہیں ہے۔ جواب تھا کہ میرے خیال میں تو ایسا ہی ہے ہم جب جمہوریت کی بحالی کے لیے کام کرتے ہیں تو ہم اس کو بھی اسلامی انقلاب یا احیائے اسلام کا ہی حصہ سمجھتے ہیں، ہم تو بیک وقت یہ دونوں کام کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ایک وقت میں تو ایک ہی کام ہو سکتا ہے۔ میں اس وقت آپ کے ساتھ گفتگو کر رہا ہوں، دو رکعت نماز تو نہیں پڑھ رہا۔ پھر جمہوریت کی منزل یکسر مختلف ہے اور اسلام کی منزل بالکل برعکس اور مختلف۔ اس حقیقت کی موجودگی میں بیک وقت دونوں کام ایک تو نہیں ہو سکتے۔ میں نے مزید استفسار کیا کہ جن جماعتوں کو آپ ساتھ لے کر جمہوریت کی بحالی کی تحریک چلا رہے ہیں جب جمہوریت بحال ہو جائے گی تو کیا یہی جماعتیں آپ کا راستہ نہ روکیں گی؟

مولانا کا جواب تھا: ''یہ تو ہوگا۔ جمہوریت میں ہر ایک جماعت کو اپنی بات کہنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اس وقت ہم ان کی مخالفت کریں گے۔ اور ان کے مقابلے میں اپنی بات کہیں گے کہ اسلام ہی ہمارے مسائل کا واحد حل ہے۔''

میں نے کہا کہ جب آپ کے دل میں ہے کہ جمہوریت کی بحالی کے بعد ان کے ساتھ اختلاف ہوگا اور ان کے دل میں بھی یہی ہے تو پھر اس رفاقت کو، جو جمہوریت کی بحالی کے لیے اختیار کی گئی ہے، اگر کوئی یہ کہہ دے کہ یہ اخلاص پر مبنی نہیں بلکہ صرف اقتدار پر قبضے کی ساجھے داری اور منافقت ہے تو آپ کیا فرمائیں گے؟

مولانا نے جواب دیا کہ: ''لوگ نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں انہیں کہنے دیں۔ اگر ایسا نہ کریں تو پھر آپ ہی بتا دیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔''

میں نے عرض کیا حضرت آپ ان جماعتوں اور ان لوگوں کو ساتھ لے کر کیوں نہیں چلتے جو صرف جمہوریت کی بحالی تک کے عارضی مقصد تک نہیں بلکہ اسلام کی منزل تک آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں تا کہ ان کے ساتھ مخالفت کا مرحلہ ہی نہ آئے اور آپ اپنی منزل تک پہنچ پائیں۔

مولانا کہنے لگے: ''وہ تمام جماعتیں اور وہ تمام لوگ تو مجھے ماں بہن کی گالیاں دیتے ہیں۔''

میں نے جواب میں عرض کیا کہ یہ بات آپ کی کسی حد تک درست ہے۔ اس وقت مولانا غلام غوث ہزاروی آپ پر انتہائی سخت تنقید کر رہے ہیں۔ لیکن اگر آپ ان کے گھر جا کر صرف یہ کہیں کہ بھائی مجھے آپ گالیاں دیتے رہو لیکن نفاذِ اسلام کے لیے میرے ساتھ چلو تو مولانا یا تو آپ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جائیں گے یا پھر اپنا سب کچھ خطرے میں ڈال دیں گے۔ لیکن یہ کام آپ کے لیے بھی مشکل ہے کہ آپ کی شخصیت آپ کو ایسا کرنے کے راستے میں حائل ہے۔ یہ شخصیت جو بڑی محنت سے بنتی ہے آدمی کو ایسا کام کرنے سے روکتی ضرور ہے لیکن جو لوگ اپنی شخصیت کو اپنے مشن اور نصب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

العین پر قربان کر دیتے ہیں وہی کچھ کر دکھاتے ہیں۔ میں نے مزید کہا کہ میرے پیر و مرشد امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری علیہ الرحمۃ نے سنہ ۱۹۵۳ء کی تحریکِ مقدس میں اپنی شخصیت کو اپنے مشن اور نصب العین پر قربان کر دیا تھا۔ وہ ہر ایک کے دروازے پر گئے اور اپنے درِدل کا نیاز مندانہ اظہار کر کے پوری امت پاکستان کو اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ثابت کر دیا کہ ان کی شخصیت ان کے نصب العین سے بالا نہیں ہے۔ مولانا شخصیت تو ہوتی ہی اس لیے ہے کہ اسے مشن پر قربان کر دیا جائے۔ اگر کوئی شخص شخصیت بچا لے اور مشن کو نقصان پہنچ جائے تو ایسی شخصیت کس کام کی۔

میں نے یہ سب کچھ کہہ دیا۔ مولانا میری اس ساری بات کو بڑے حوصلے اور تحمل کے ساتھ سنتے رہے۔ لیکن انہوں نے میری اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اتنے میں مغرب کی اذان ہو گئی اور ہم نماز ان کی امامت میں پڑھ کر واپس لوٹ آئے۔

آج جب میں اس گفتگو جو میرے اور مولانا مرحوم کے درمیان ہوئی پر غور کرتا ہوں تو میں خود حیران ہوتا ہوں کہ وہ ماحول ہی بڑا عجیب و غریب تھا۔ کوئی ہماری اس گفتگو میں شریک نہ ہوا۔ صرف میرے اور مولانا کے درمیان ہی مکالمہ ہوتا رہا، بڑے دھیمے انداز میں بڑے انہماک کے ساتھ مولانا نے میری گفتگو سنی اور پھر یہ بھی بڑی عجیب بات ہے کہ اتنے بڑے آدمی نے مجھ سے پوچھا کہ ”پھر آپ بتائیں کہ میں کیا کروں“ اور خدا نے مجھے یہ توفیق دی کہ میں اُن کی بھاری بھرکم حیثیت سے دبے بغیر کچھ حق کی بات کہہ سکا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ سے چنیوٹ میں ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے بھی کہا کہ اس ملک میں اس وقت تک اسلام کا نفاذ ممکن نہیں جب تک آپ مودودی صاحب کو ساتھ لے کر نہیں چلتے۔ مولانا نے اپنے مخصوص انداز میں قہقہہ لگایا اور کہا: ”ہم تو اُس کو ساتھ لے کر چلتے ہیں وہ پیچھے سے بھاگ جاتا ہے“ اُن کا اشارہ ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوّت سے مودودی صاحب مرحوم کی عجیب و غریب علیحدگی کی طرف تھا۔ (جاری ہے)

© rasailojaraid.com